مغرب میں اسلام کی دعوت

مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

پیش لفظ

محترم امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی کو برطانیہ کی معروف اسلامی تنظیم یو۔کے۔ اسلامک مشن کی بیسویں سالانہ کانفرنس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا۔ مشن کے چار روزہ کانفرنس منعقدہ برمنگھم ۲۶ تا ۲۹ اگست ۱۹۸۳ء میں مولانا محترم نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے ۲۷ اگست کو جو مقالہ پیش کیا تھا، اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ اس کی اصل اہمیت و افادیت یورپ کے داعیانِ تحریکِ اسلامی کے لیے ہی ہے، لیکن ایک غیر مسلم ماحول میں دین کے تعارف اور اس کی سربلندی کی جدوجہد کرنے والے قافلے کے لیے اس میں جو ہدایت و رہنمائی ہے، اس کی کارکنان تحریک اسلامی ہند اور اس ملک میں دین کی خدمت میں مصروف یا اس کا جذبہ رکھنے والے برادرانِ ملّت کے لیے بھی بہت سے نشانِ راہ موجود ہیں۔ امید ہے ان تمام حضرات کے لیے یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔

انتظار نعیم
۱۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء

مرکز جماعتِ اسلامی ہند
بازار چتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۶

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدِ الْاَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

جناب صدر، بزرگو، دوستو، بھائیو اور بہنو!

سب سے پہلے میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسے حضرات سے ملاقات اور گفتگو کا موقعہ عنایت فرمایا جو نہ صرف یہ کہ دین کا گہرا علم رکھتے ہیں بلکہ اس کی دعوت واشاعت کے مبارک کام میں بھی سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ میں یو۔ کے اسلامک مشن کے ذمہ داروں، خاص طور سے اس کے صدر برادرم جناب رشید احمد صدیقی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جن کی عنایت سے مجھے یہ زرّیں موقعہ نصیب ہوا۔

دعوتِ دین کی اہمیت

مجھے اس نشست میں جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے :

"مغرب میں اسلام کی دعوت"

جہاں تک دعوتِ دین کی اہمیت کا تعلق ہے اس سے آپ حضرات پہلے ہی سے بخوبی واقف ہیں، تاہم اصل موضوع پر گفتگو سے پہلے میں بطور یاد دہانی ان چند آیتوں کا سرسری حوالہ دے دینا مناسب سمجھتا ہوں جن سے دعوت دین کی اہمیت پوری طرح نمایاں ہو سکتی ہے۔

● كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (آل عمران ۲ : ۱۱۰)

ترجمہ : تم بہترین امّت ہو. لوگوں کی رہنمائی کے لیے مبعوث کیے گئے ہو، معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت ہونے کا جو شرف عطا فرمایا ہے، وہ اس کے کسی خاص نسل و نسب یا قومیت سے تعلق رکھنے کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ ایمان باللہ کے ساتھ مشروط ہے، اور آیت کا آخری لفظ "تومنون باللہ" جہاں یہ اشارہ کر رہا ہے کہ اسلام کی اصل بنیاد اللہ پر ایمان ہے وہیں اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معتبر ہے جو ایمان باللہ کے ساتھ ہو۔

● وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (بقرہ ۲ : ۱۴۳)

ترجمہ : اور اسی طرح ہم نے تمھیں بیچ کی امّت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔

یہ آیت واضح طور سے اشارہ کر رہی ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ وہ خلق خدا پر اللہ کے دین کی گواہی دیں اسی طرح امت مسلمہ بھی بحیثیت امّت اس کی مکلّف قرار دی گئی ہے کہ خلقِ خدا پر اس دین کی گواہی دے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں کی یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان دونوں آیتوں میں "الناس" (اخرجت للناس . شھداء علی الناس) کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے اس بات کی طرف واضح اشارہ نکل رہا ہے کہ امّتِ مسلمہ کے اس فرضِ منصبی کا تعلق عامّۃ النّاس سے ہے، خواہ وہ کہیں کے بھی رہنے والے ہوں اور کسی بھی قوم اور قبیلے سے ان کا تعلق ہو۔

یہ دینِ حق، جس کی شہادت کی ذمہ داری امّتِ مسلمہ پر عائد کی گئی ہے وہ اس ربّ کائنات کا بھیجا ہوا دین ہے جس کی ربوبیت عالمگیر ہے اور اس میں مشرق اور مغرب اور شمال و جنوب کی کوئی قید و تخصیص نہیں ہے، اور اسی لیے خود قرآن مجید میں اس کو "رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ" اور "رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" کہا گیا ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ دین اپنی آخری اور مکمل شکل میں نازل ہوا تھا وہ خود قرآن کی تصریح کے مطابق کسی خاص گروہ یا قوم و قبیلہ کے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسانی کے ہادی و رہنما بنا کر بھیجے گئے تھے۔

- قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (اعراف - ۷ : ۱۵۸)

ترجمہ: اے محمد! کہو کہ" اے انسانو، میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین و آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔

- وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا - ۳۴ : ۲۸)

ترجمہ: اور (اے نبی) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

- وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء - ۲۱ : ۱۰۷)

ترجمہ: اے نبی، ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

چونکہ اسلام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا آخری دین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت خاتم النبیین کی ہے اور آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے، اور یہ ملّت بھی جس پر شہادتِ حق کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، تا قیامت قائم رہنے والی ہے، اس لیے شہادتِ حق کا یہ فریضہ اب قیامت تک اسی کو انجام دینا ہے۔

فریضۂ شہادتِ حق اور امر بالمعروف کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور حدیث سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ:

- من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ ولیس وراء ذلک خردل من الایمان۔

ترجمہ: جو تم میں سے منکر دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل ڈالے، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اگر اس کی (بھی) طاقت نہ ہو تو دل سے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

غفلت کے نتائج

شہادتِ حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت کا اندازہ ان سنگین نتائج سے بھی کیا جا سکتا ہے جو قرآن و سنت میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان نتائج کی سنگینی کا اندازہ کرنے کے لیے قرآن کی بہت سی آیات ہیں۔ صرف درج ذیل آیات کو سامنے رکھنا کافی ہو گا:

● وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَأْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا مَعْذِرَةً إِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ أَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ وَأَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ○ (اعراف ۷: ۱۶۳-۱۶۶)

ترجمہ: اور ان سے ذرا اس بستی کا حال بھی پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ انھیں یاد دلاؤ وہ واقعہ کہ وہاں کے لوگ سبت (ہفتہ) کے دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں سبت ہی کے دن ابھر ابھر کر سطح پر ان کے سامنے آتی تھیں اور سبت کے سوا باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ یہ اس لیے ہوتا تھا کہ ہم ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے۔ اور انھیں یہ بھی یاد دلاؤ کہ جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا تھا کہ "تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے۔" تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ "ہم یہ سب کچھ تمھارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں

اور شاید یہ لوگ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں۔" آخر کار جب انھوں نے ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کردیا، جو انھیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جو بُرائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو، جو ظالم تھے، ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ پھر جب وہ پوری سرکشی کے ساتھ وہی کام کیے چلے گئے جن سے انھیں روکا گیا تو ہم نے کہا کہ بندر ہو جاؤ۔"

ان آیات میں ایک ایسے گروہ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو اگرچہ خود برائیوں سے بچا ہوا تھا لیکن دوسروں کو اس میں بتلا دیکھ کر ان سے روکنے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا بلکہ جو لوگ ان کو برائیوں سے روکنے کا فرض انجام دے رہے تھے ان کو بھی اپنے مایوسانہ جذبہ کے تحت اس سے باز رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔

ان آیات میں احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کے عذاب میں بتلا ہونے اور نصیحت کرنے والوں کی نجات کا صراحتہً ذکر کیا گیا ہے لیکن اس تیسرے گروہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ قطعیت سے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ گروہ مذکورہ بالا دونوں گروہوں میں سے کس میں شامل تھا۔ لیکن عام مفسرین کا غالب رجحان یہ ہے کہ بتلائے عذاب ہونے والوں میں یہ گروہ بھی شامل تھا کیوں کہ قرآن نے جب یہ صراحت کردی ہے کہ نجات پانے والا گروہ وہی تھا جو قوم کو برائیوں سے باز رکھنے کے لیے کوشاں تھا (وانجینا الذین ینھون عن السوء) تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نجات پانے والوں میں وہ گروہ شامل نہیں سمجھا جائے گا جو اگرچہ خود برائیوں میں بتلا نہ تھا مگر دوسروں کو برائیوں سے روکنے کے لیے کوئی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا اور ان کے اس خیال کی تائید قرآن کی اس مشہور آیت سے بھی ہوتی ہے:

● وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَّاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (انفال - ۸ : ۲۵)

ترجمہ: اور بچو اس فتنہ سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھیں لوگوں تک محدود نہ رہے گی

جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس آیت میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ برائیاں جب وبار عام کی صورت اختیار کر لیتی ہیں تو ان کے اثرات ونتائج صرف بُرے لوگوں تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ وہ لوگ بھی جو برائیوں پر روک ٹوک نہیں کرتے، وہ عملاً ان برائیوں میں ملوث نہ ہونے کے باوجود ان کی زد میں آجاتے ہیں۔

اور اس کی مزید تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ:

ان اللہ لا یعذب العامۃ بعمل الخاصۃ حتی یروا المنکر بین ظھرانیھم وھم قادرون علی ان ینکروہ فلا ینکروہ فاذا فعلوا ذلك عذب اللہ الخاصۃ والعامۃ

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے جرائم پر عام لوگوں کو سزا نہیں دیتا، جب تک عامۃ الناس کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے بُرے کام ہوتے دیکھیں اور وہ ان کاموں کے خلاف اظہار ناراضی کرنے پر قادر ہوں، اور پھر کوئی اظہار ناراضی نہ کریں۔ پس جب لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے تو اللہ خاص و عام سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے"۔

اور یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کی طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

تم لوگ یہ آیت پڑھتے ہو: یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ الآیۃ (مائدہ - ۵ : ۱۰۵)

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ برائی کو دیکھیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں اور ظالم کو ظلم کرتے ہوئے پائیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو بعید نہیں کہ اللہ اپنے عذاب میں سب کو لپیٹ لے۔ خدا کی قسم تم کو لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو ورنہ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلّط کر دے گا جو تم میں سب سے بدتر ہوں گے، تم کو سخت تکلیفیں پہنچائیں گے

پھر تمھارے نیک لوگ خدا سے دعائیں مانگیں گے۔ اور وہ قبول نہ ہوں گی "۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اس خطبہ میں سورۂ مائدہ کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے اس سے اس زمانہ میں، خاص طور سے بہت سے لوگ غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنی فکر کرنی چاہیے اور دوسروں کی ہدایت وضلالت ہمارے لیے چنداں قابلِ توجہ نہیں ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اپنی اصلاح و تربیت تو یقیناً دوسروں کی اصلاح پر مقدّم ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کی ہدایت وضلالت ہمارے لیے قابل توجہ نہیں ہے۔ اول تو یہ بات مسلمانوں کے فرضِ منصبی سے بھی میل نہیں کھاتی جس کی اہمیت و فرضیت قرآن و سنت سے پوری طرح واضح ہے اور جس کا کچھ حصہ آپ کے سامنے پیش بھی کیا جا چکا ہے۔ دوسرے اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کرنا سراسر بے محل بات ہے کیوں کہ اس کا سیاق وسباق یہ واضح کر رہا ہے کہ اس آیت کے ذریعہ درحقیقت صحابہ کرام کو تسلّی دی گئی ہے کہ اگر تمھاری ہر طرح کی کوششوں کے باوجود کفار تمھاری باتوں کی طرف دھیان نہیں دے رہے ہیں، تو جب تم نے اپنا فرض بخوبی انجام دے دیا ہے تو اب ان کے کفر و ایمان کی کوئی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوتی، اور نہ اس بارے میں تم سے کوئی پرسش ہوگی۔ وہ دراصل ان کے اپنے فساد مزاج کا نتیجہ ہے اور وہ خود اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں۔

شہادتِ حق اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت واہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس ملک میں رہنے والے مسلمانوں کو خاص طور سے اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہاں کے باشندوں کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں اور ہم کس طرح اور کہاں تک ان سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

یورپ میں جب نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا تو خود کلیسا کے غلط عمل کے خلاف ردعمل کے طور پر نہ صرف یہ کہ عیسائی مذہب سے عملی بُعد پیدا ہوا بلکہ سرے سے دین ہی سے نفرت پیدا ہوگئی، اور اس نے عقلیت پرستی کے دامن میں پناہ ڈھونڈھی جس کے نتیجہ میں مادہ پرستانہ اور ملحدانہ تہذیب

تمدن وجود پذیر ہوا اور اگر یہاں کی ایک قلیل آبادی پر دین و مذہب کا کچھ اثر باقی بھی رہا تو وہ تمام تر ایک مسخ شدہ محرف دینِ مسیحی کے زیر اثر ہے جس میں بہت سے تاریخی عوامل کی بنا پر ایسے عقائد و مزعومات بھی داخل ہو گئے ہیں جو حقیقی دین الٰہی کے بالکل منافی اور اس کے صحیح اثرات کو نیست و نابود کر دینے والے ہیں۔ مثلاً توحید کے ساتھ شرک اور عقیدۂ آخرت کے ساتھ کفارہ کا عقیدہ، نیز اپنے مذہبی پیشواؤں کو وہ مقام عطا کرنا جو خدا ہی کو زیب دیتا ہے۔

اس صورتِ حال کے پیش نظر امتِ مسلمہ کے جو افراد یہاں عارضی یا مستقل طور سے مقیم ہیں اور ان پر اس سلسلہ میں خصوصیت سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیا وہ نظر انداز کیے جانے کے قابل ہے؟ جب کہ ایک طرف ہم بحیثیت مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اہل یورپ کے اس صورتِ حال میں بتلا ہونے کی اصل وجہ یہی رہی ہے کہ صحیح دین اسلام کی روشنی ان تک نہیں پہنچ سکی تھی، اور وہ جس حال میں ہیں اس سے ان کے نجات پانے کی اصل راہ اسلام ہی ہے اور دوسری طرف شہادتِ حق کی ذمہ داری اتنی سخت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کا احساس اس درجہ شدید تھا اور اس کا حق ادا کرنے کے لیے آپؐ کے شب و روز اس طرح گذر رہے تھے کہ خود اللہ تعالیٰ کو یہ نصیحت کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ :

● فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝ (کہف - ۱۸ : ۶)

ترجمہ: اچھا، تو اے نبی، شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔

اسی احساس ذمہ داری ہی کا یہ اثر تھا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جب آپؐ کی فرمائش پر سورۂ نساء کی آیتوں کی تلاوت شروع کی تو وہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں اس آیت پر پہنچا :

● فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ (سورۂ نساء - ۴ : ۴۱)

ترجمہ : پھر سوچو کہ یہ اس وقت کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمھیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔

تو آپ نے فرمایا: "بس، کافی ہے۔" اور میں نے مڑکر دیکھا تو آپؐ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

یورپ میں دعوت دین کی اہمیت

یورپ میں دعوتِ دین کے موضوع پر غور وخوض کرتے ہوئے ہمیں خصوصیت کے ساتھ یورپ کے اس مرتبہ ومقام کو بھی اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے جس پر وہ اس وقت فائز ہے۔ یہ بات ہماری ذمہ داری کو اور نازک بنا دیتی ہے کیونکہ جو قومیں فکری امامت اور عملی قیادت کا مقام رکھتی ہوں ان کا بگاڑ بھی اور ان کا سدھار بھی عالمگیر ہوتا ہے۔ اور اگر اس بگاڑ میں ہماری غفلت بھی شامل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ یہ غفلت سخت باز پرس کے لائق ہوگی۔ اور اگر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسلام سے یورپ کا بُعد خود اہل مغرب کے لیے اور مسلمانوں کے لیے کس قدر نقصان دہ رہا ہے اور ہے، اور اگر یہ بُعد دور ہو جائے اور وہ قریب ہو کر اسلام کو اچھی طرح سمجھنے لگیں تو اس سے کیا کیا فوائد و برکات ظہور میں آئیں گے، تو ہمارے لیے سب سے زیادہ توجہ کے لائق یہی بات بن جائیگی۔ اس مجلس میں مسئلہ کے اس پہلو پر کسی تفصیلی گفتگو کی مجھے مطلق کوئی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی ہے کیونکہ ان دونوں باتوں کا اندازہ آپ حضرات، جو مغرب کے عین قلب میں مقیم ہیں، مجھ سے زیادہ بہتر طور سے کر سکتے ہیں۔ البتہ سرسری طور سے یہاں اس کا تذکرہ کر دینا غالبًا نامناسب نہ ہوگا کہ یورپ کو اس کا موجودہ مقام کس طرح حاصل ہوا ہے اور کیوں ہم اس حالت کو پہنچے ہیں کہ وہ ہمارے لیے گوناگوں خطرات و مصائب کا موجب بن رہا ہے؟

ہمارا ایک دور ضرور ایسا تھا کہ دنیا کی سیادت و قیادت ہمارے ہاتھوں میں تھی۔ لیکن بدقسمتی سے یہ دور سعید بعد میں قائم و برقرار نہیں رہ سکا جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس دور میں ہمیں جو مادی سہولتیں حاصل ہو رہی تھیں، بس ان سے متمتع ہونے ہی میں ہم منہمک رہے اور بحیثیت

امت مسلمہ ہم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں ان سے ہم بالکل غافل رہے۔ اس کے برعکس یورپ نے خود ہم سے جو سیکھا تھا اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے سائنس اور ٹکنالوجی کی طرف خصوصی توجہ کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے میدانوں میں ہم کو پیچھے چھوڑ آگے نکل گیا۔ اس کے برعکس ہم نے اپنی غفلت یا ناقص اور محدود دینی تصورات کے دائرہ میں محصور ہو کر ان علوم و فنون کو کچھ زیادہ لائق اعتنا نہیں سمجھا جس کے نتیجہ میں ہم سیاسی میدان میں بھی ان سے شکست کھا گئے اور بہت سے مسلم ممالک ان کے غلام ہو گئے اور اس سیاسی غلبہ و تسلّط کا خمیازہ اسلام اور مسلمانوں کو مختلف شکلوں میں بھگتنا پڑا۔ اور اگرچہ جنگ عظیم ثانی اور کچھ دیگر عوامل کے نتیجہ میں مغرب کی سب سے بڑی طاقت برطانیہ ـــ جس کی قلمرو میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ـــ ایک تیسرے درجہ کی طاقت بن گئی ہے، اور اس کا وہ دبدبہ و طنطنہ بھی باقی نہیں رہ گیا جو اس جنگ سے پہلے اسے حاصل تھا، لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اہل یورپ کے سیاسی غلبہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی ہمارے بہت سے مسلم ممالک جو براہ راست ان کی غلامی میں تھے یا نہ تھے، اب بھی ایک طرح سے ان کی ذہنی غلامی ہی میں مبتلا ہیں، اور ان کی مادّہ پرستانہ تہذیب و تمدّن کا تقریباً ہر جگہ غلبہ ہے جس سے ہماری اجتماعی و انفرادی زندگی کے سارے گوشے بری طرح متاثر ہو رہے ہیں، حتیٰ کہ ہمارے گھروں کی چہار دیواریاں بھی ان کے اثرات بد سے محفوظ نہیں ہیں۔

مغربی تہذیب و تمدّن جن افکار و نظریات پر قائم ہے وہ یقیناً خود اہل یورپ کے لیے بھی مختلف حیثیتوں سے تباہ کن ثابت ہو رہا ہے جس کا احساس خود ان کے اہل فکر و نظر کو بھی ہونے لگا ہے، لیکن اس کا صحیح مداوا کیا ہو سکتا ہے؟ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کا صحیح حل اسلام ہی ہے کیونکہ یورپ کی تمام خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ اہل کلیسا کی حماقتوں اور ناعاقبت اندیشیوں کا ردعمل یہ ہوا کہ اہل یورپ نفس مذہب ہی سے بیزار ہو گئے اور زندگی کا طور طریق متعین کرنے میں انھوں نے صرف عقل کی رہنمائی کو کافی سمجھا ہے، حالانکہ زندگی کے بہت سارے اہم

اور بنیادی سوالات ایسے ہیں جن کا جواب دینے سے عقل قاصر ہے اور جن کو حل کیے بغیر زندگی کی گتھی سلجھائی نہیں جاسکتی، اور یہ گتھی وحی ورسالت کی رہنمائی ہیں سلجھ سکتی ہے ـــــ اور یہ حقیقت تجربات کی روشنی ہیں اب روز بروز روشن سے روشن تر ہوتی جارہی ہے۔

غرض، یورپ اس وقت جس ظلمت ہیں گھرا ہوا ہے اس ہیں خود ہماری اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس لیے ہمیں اس کی تلافی کی طرف خصوصی توجہ دینی ہوگی اور ایسا کر کے ہم اپنا ایک فرض ہی نہیں ادا کریں گے بلکہ اہل یورپ کے ساتھ ہماری ہمدردی اور خیر خواہی کا بھی تقاضا ہے کہ ان کو اس اندھیرے سے نکال کر اسلام کی روشنی ہیں لائیں۔

مغرب ہیں دعوت اسلام کے مواقع

اسلام دین فطرت اور انسانی مزاج کے موافق تو ہے ہی، ساتھ ہی اس کی کچھ اور خصوصیات بھی ہیں جن کی بنا پر اس ہیں ہر ملک و قوم کے لوگوں کے لیے کشش کا پورا پورا سامان ہے۔ مغرب ہیں دین کی دعوت اور اس کے فروغ کے لیے پہلے بھی کچھ کم امکانات نہ تھے مگر اللہ کا شکر ہے کہ اب کچھ ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں اور ہوتے جارہے ہیں کہ اب اس بارے ہیں بہتر توقعات کی جاسکتی ہیں، بشرطیکہ ان حالات سے ہم پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنی ان کمزوریوں کو دور کرنے ہیں کامیاب ہوسکیں جو اسلام کو پیش کرنے ہیں ہمیشہ رکاوٹ بنتی رہتی ہیں:

۱ مغرب ہیں دعوت اسلام کی راہ ہیں سب سے بڑی رکاوٹ وہ نفرت اور تعصب رہا ہے جو خاص طور سے صلیبی جنگوں کے نتیجہ ہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اہل مغرب کے دلوں ہیں پیدا ہو گیا تھا اور اس کو قائم و برقرار رکھنے بلکہ اسے اور زیادہ بڑھانے کے لیے کچھ دوسرے اسباب و محرکات بھی برابر موجود رہے ہیں ـــــ مثلاً اس کو بڑھاوا دینے کے لیے مستشرقین کا ایک گروہ پیدا کیا گیا تھا جو علم و تحقیق کے پاکیزہ عنوان سے اسلام کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کرتا رہا۔

یہ نفرت و تعصب کا جذبہ ابھی بالکلیہ تو ختم نہیں ہو سکا ہے اور نہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے کیونکہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ صلیبی جنگوں کے بعد عرصہ دراز تک اسلام کے خلاف جو غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈہ اور الزام تراشیاں ہوتی رہی ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے نقوش کو گھناؤنا بنا کر پیش کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں اب وہ کسی نہ کسی حد تک مدھم پڑ گئی ہیں، کیونکہ اوّل تو بعد کے زمانوں میں ہمارے ادبار و زوال نے ان کے لیے موقع فراہم کر دیا کہ وہ عالم اسلام کے بہت بڑے حصہ کو اپنے قدموں سے روند کر کچھ تشفی حاصل کریں اور انھیں یہ حاصل بھی ہوئی۔ چنانچہ مشہور بات ہے کہ دسمبر ۱۹۱۷ء میں جب برطانوی فوجیں بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئیں تو اس کے سپہ سالار الین بی (ALLENBY) نے بے قابو ہو کر کہا تھا:

"صلیبی جنگوں کا ہم نے انتقام لے لیا۔"

اسی طرح ۱۹۲۰ء میں فرانسیسی کمانڈر گوراڈ جب دمشق میں فاتحانہ داخل ہوا تو صلاح الدین ایوبی کے مقبرہ کے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی اور غرور و تمکنت کے لہجہ میں پکارا:

"صلاح الدین! سنو، ہم پھر آ گئے۔"

دوسرے، اب اس وقت سے زمانہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ تحقیق کے ذرائع و وسائل میں بھی خاصا اضافہ ہوا ہے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ بھی روز بروز مائل بہ ترقی ہے اور اسی کے ساتھ اپنے دور ظلمت میں اہل یورپ اپنے فکر و خیال کے لحاظ سے جس پستی میں مبتلا رہے ہیں، انسانی شعور و احساس کے ارتقار کے ساتھ قدرتی طور پر اس میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اگر پہلے زمانوں میں حالات و مسائل اس کے متقاضی تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور تعصب کو بڑھاوا دیا جائے تو پچھلے دنوں دنیا کے نقشہ میں جو عظیم تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہ اس کی متقاضی ہیں کہ اب تعصب و نفرت کو ہوا دینے یا نمایاں

کرنے کے بجائے ان پر حتی الوسع پردہ ڈالنے کوشش کی جائے اور ضرورت کا تقاضا ہو تو اس کے برعکس رواداری اور مصالحت پرستی سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے یا کم از کم اس کا مظاہرہ کیا جائے۔

بہت سے مسلم ممالک جو پہلے ان کی زنجیر غلامی میں جکڑے ہوئے تھے، وہ جنگِ عظیم کے بعد غلامی کی زنجیریں توڑ کر سیاسی حیثیت سے آزاد و خود مختار ہو چکے ہیں اور اس وقت تقریباً پچاس مسلم ممالک باقاعدہ اقوام متحدہ کے ممبر ہیں اور خوش قسمتی سے بہت سے مسلم ممالک ایسے وسائل و ذرائع سے مالا مال ہیں جو اہل مغرب کے لیے باعث کشش اور موجب خوف بھی ہیں۔ اس صورت حال کا بھی اسلام اور مسلمانوں کے سلسلہ میں ان کے رویہ کی تبدیلی پر خاصا اثر پڑا ہے۔ اور بحیثیت مجموعی، ان سب باتوں کا ایک نتیجہ اس شکل میں بھی برآمد ہونے لگا ہے کہ مستشرقین کا طبقہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات بھڑکانے میں پیش پیش تھا، اب خود اس کے رویہ میں یہ تبدیلی ہوئی ہے کہ انہی میں سے کچھ ایسے لوگ بھی سامنے آرہے ہیں جو خود اپنے گروہ کے محققین کی بے تحقیق باتوں کی علانیہ تردید اور ساتھ ہی اس پر اپنے افسوس اور شرمندگی کا برملا اعلان واظہار کر رہے ہیں۔ اور ان میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گذشتہ نصف صدی میں اسلام کے تعارف کے سلسلہ میں ایک ایسا جامع اور موثر لٹریچر وجود میں آچکا ہے جس نے مسلمانوں اور بالخصوص نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام سے عملی وابستگی اور اس کو لے کر آگے بڑھنے کا ایک زبردست داعیہ اور حوصلہ پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ دنیا کے مختلف ملکوں میں متعدد اسلامی تحریکات مختلف ناموں سے وجود میں آچکی ہیں، جن کی عملی سرگرمیاں محسوس طریقے سے اپنا اثر دکھلا رہی ہیں، اور ان سے دنیا کے مختلف حصوں میں چھوٹی بڑی بہت سی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئی ہیں اور ہوتی جارہی ہیں۔

۲۔ موجودہ مادہ پرستانہ تہذیب جس کا اب تک یورپ دلدادہ رہا ہے اب اس کے فطری

افسوسناک نتائج کھل کر سامنے آتے جارہے ہیں۔ یورپ اس وقت جس اخلاقی بحران کا شکار ہے وہ تمام تر اسی نظام کا ایک فطری نتیجہ ہیں۔ معیشت و سیاست کے میدانوں میں بھی وہ جن مسائل و مشکلات سے دوچار ہے وہ بھی اسی کی پیداوار ہیں۔ یورپ کی معاشرتی زندگی بھی انتشار اور ابتری کا شکار ہے۔ خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے، ماں باپ اور قریبی رشتے دار ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو چکے ہیں، طلاقوں اور ناجائز اولاد کی کثرت وغیرہ ـــــ یہ سب مسائل ان کے سمجھ دار طبقہ کے لیے تردّد اور تشویش کے موجب ہیں اور انھیں کچھ سوچنے اور ان کا مناسب حل نکالنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ لیکن ہمیں اس بارے میں مبالغہ آمیز خوش فہمی سے بہر حال بچنا چاہیے اور اس کو کسی بڑے اور فوری انقلاب کا پیش خیمہ سمجھنا تو یقیناً ایک انتہائی سادہ لوحی کی بات ہوگی، کیونکہ موجودہ تہذیب اور نظام کی مدح سرائی عرصہ دراز سے کچھ اس طرح ہوتی رہی ہے اور اس کو مقبول بنانے کے لیے ایسے وسائل و ذرائع سے کام لیا جاتا رہا ہے کہ اس کے اثرات ذہن و دماغ اور عمل و کردار میں پوری طرح جاگزیں ہو چکے ہیں۔

۳۔ یورپ کو اس وقت جو مادی خوشحالی حاصل ہے اس سے لوگوں کی مادّی ضرورتیں یقیناً بہت اچھی طرح پوری ہو رہی ہیں اور یہ بہتوں کے لیے موجب اطمینان بھی ہے۔ لیکن ایک باشعور اور سمجھ دار انسان کی تسکین کے لیے صرف مادی سہولتیں ہی موجبِ تسکین نہیں ہو سکتیں کیونکہ انسان نرا ایک معاشی حیوان ہی نہیں بلکہ وہ ایک ذی شعور وجود ہے جس کی فطرت میں نیک و بد کی تمیز اور احساس کے ساتھ خیر کی طلب اور شر سے بچنے کا جذبہ و داعیہ بھی پایا جاتا ہے۔ اور اس جذبہ کی تسکین صرف مادی سر و سامان کی کثرت اور فراخی و خوشحالی سے نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو چکا ہے جو اپنی قلبی بے اطمینانی کو مخدرات و منشیات کے ذریعہ رفع کرنا چاہتا ہے اور یہ طبقہ دن بہ دن بڑھتا اور پھیلتا ہی جارہا ہے لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہ پریشانیوں کا کوئی حل نہیں ہے بلکہ عقل و شعور کو جو مخلوق میں انسانوں کا طرۂ امتیاز ہے، سرے سے بیکار کر دینے کے ہم معنی ہے۔ اور عیسائیت بھی ان کے موجودہ اضطراب و بے چینی کا کوئی

مدا وانہیں کرسکتی کیونکہ وہ تضادات کا مجموعہ ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی جامع نظامِ زندگی بھی پیش کرنے سے قاصر ہے، اوریہی بات جیساکہ گذرچکا ہے عیسائیت سے ان کی بے تعلقی اوراس کے بعد بے دینی کی راہ پر چل پڑنے کا سب سے بڑا باعث ہے۔

یورپ میں دعوت اسلامی کے فروغ اور کامیابی کے اتنے اچھے مواقع کے ہوتے ہوئے جو تاریخ میں پہلی بار پیدا ہوئے ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش نہ کرنا یقیناً ہماری زبردست غفلت قرار پائے گی اور عند اللہ ہم اس پر سخت باز پرس کے سزاوار ہوں گے۔

ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کی ذمہ داری یوں تو پوری امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے لیکن وہ مسلمان جو یہاں مقیم اور آباد ہیں، انھیں اپنے کو خاص طور سے اس کا ذمہ دار سمجھنا چاہیے، کیونکہ ہر مسلمان اپنے گردوپیش کے لوگوں کو اسلام کی دعوت سے روشناس کرانے اور اپنے قریبی ماحول کی حالت کو درست کرنے کا دوسروں سے زیادہ مکلف ہوتا ہے اور دعوت اسلامی کے حق میں اسے ایک فالِ نیک ہی سمجھنا چاہیے کہ ایک محتاط اندازہ کے مطابق اس وقت مغربی ممالک میں کم وبیش ستّر لاکھ مسلمان سکونت پذیر ہیں، جن میں سے اکثر لوگوں نے ان ملکوں کی، جہاں وہ رہتے ہیں، شہریت بھی حاصل کر رکھی ہے اوران کی بہت بڑی تعداد برطانیہ میں بھی مقیم ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں سے بیشتر لوگ زیادہ تر اپنی کسی نہ کسی دنیاوی غرض، مثلاً ملازمت، تجارت اور تعلیم وغیرہ کے لیے آئے ہوئے ہیں، لیکن مسلمان جہاں بھی اور جس حال میں بھی رہے وہ اس فرض سے مستثنیٰ یا سبکدوش نہیں ہوسکتا جو اسلام نے ہر مسلمان پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلہ میں عائد کیے ہیں۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک کو یہاں اصلاً اپنے کو اسلام کا سفیر ہی سمجھنا چاہیے اور اپنی اپنی ذاتی مصروفیات کے ساتھ اپنا کچھ وقت لازماً اپنے اس فرض کی ادائیگی کے لیے بھی مختص کرنا چاہیے۔ غالباً یہ محض کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ اس وقت اتنی بڑی تعداد میں مسلمان ان مغربی ملکوں میں مقیم ہیں، اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، یہ اللہ کی مشیت ہی کے تحت ہورہا ہے اور اس میں اس کی

کوئی بہت بڑی مصلحت کارفرما ہے۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طور سے اسلام کو اور اسلام کے ذریعہ یورپ کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے اور خوشی کی بات ہے کہ یہاں مقیم مسلمان عام طور سے اپنی ذمہ داریوں کے احساس سے غافل نہیں ہیں۔ اسے ایک طرح سے ان کے احساسِ ذمہ داری ہی کا ثمرہ اور نتیجہ سمجھنا چاہیے کہ اس وقت مغرب میں مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے بہت سے دعوتی مراکز وجود میں آگئے ہیں جو اپنے اپنے طریقوں اور اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق مفید خدمات انجام دے رہے ہیں جن میں ایک یہ یو۔کے۔ اسلامک مشن بھی ہے جس کے زیر اہتمام یہ کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جو بجائے خود اس کی دعوتی سرگرمیوں ہی کا ایک جز ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور ان سے بہترین نتائج برآمد ہوں۔

مغرب میں دعوتِ اسلام اور اس کا طریقہ کار

مغرب میں دعوتِ اسلام کے فروغ اور کامیابی کے لیے جو موافق اور سازگار حالات پیدا ہو چکے ہیں، ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جائے اور اس کے لیے ہمیں کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہوگی یہ ایک نہایت اہم اور غور طلب مسئلہ ہے جس پر ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔ مگر مجھے یہاں اس موضوع پر کسی تفصیلی اظہار خیال کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ یہ مسئلہ پہلے ہی سے آپ حضرات اور بالخصوص ان لوگوں کے پیش نظر ضرور رہا ہوگا جو یہاں دعوت و تبلیغ کے کام سے دلچسپی رکھتے اور اپنا کچھ وقت بھی صرف کر رہے ہیں اور یقیناً انھوں نے اس سے بہت کچھ قیمتی تجربات بھی حاصل کیے ہوں گے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ دعوت کے میدان میں کام کرنے سے جو عملی تجربات حاصل ہوتے ہیں وہی اس کام کو بہتر طور سے انجام دینے کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد ہو سکتے ہیں، کیونکہ جیساکہ آپ جانتے ہیں، دعوت دین کا کوئی ایک ہی لگا بندھا طریقہ نہیں ہے جس کو ہر جگہ اختیار

کرنا ضروری ہو، بلکہ اس میں ہر ملک اور مقام کے مخصوص حالات وظروف اور مخاطبین کے مزاج و استعداد وغیرہ کے پیش نظر مناسب طریقے اختیار کرنے کی کافی گنجائش ہے اور یہ ہر جگہ کے مقامی کارکنوں کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ ان کے حسب حال کوئی مناسب طریقہ اختیار کریں لیکن جہاں دعوتِ دین کے طریقہ میں یہ گنجائش پائی جاتی ہے وہیں اس کا یہ پہلو بھی خاص طور سے اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کے کچھ بنیادی نکات ہیں جو کسی جگہ اور کسی حال میں بھی نظر انداز یا نظروں سے اوجھل نہیں ہونے چاہئیں ورنہ دعوت کے نتائج کچھ پہلوؤں سے خواہ کتنے ہی وقیع اور شاندار کیوں نہ ہوں، وہ اپنے اصل مقصد کے لحاظ سے بے سود قرار پائیں گے اور اگر یہ بے شعوری کا نتیجہ نہ ہو بلکہ خدانخواستہ کسی پہلو سے اس میں مداہنت کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہو یا مخاطبین کی رعایت یا حالات کے ساتھ سازگاری پیدا کرنے کا جذبہ اپنے جائز حدود سے تجاوز کر جائے تو دین کا صحیح تصور لوگوں کے سامنے نہیں آسکے گا، اور ہم ایک طرح سے دین کا حلیہ بگاڑنے کے ملزم قرار پا سکتے ہیں جو عند اللہ سخت مواخذہ کی بات ہوگی۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیات کو سامنے رکھنا کافی ہوگا جن میں خاص طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے:

● وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل : ۱۷ : ۷۳-۷۵)

ترجمہ: اے نبی! ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ تمھیں فتنہ میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمھاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمھیں اپنا دوست بنا لیتے، اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمھیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمھیں دنیا میں بھی دُہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا۔ پھر ہمارے مقابلہ میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔

اس سلسلہ کی کوتاہیوں میں بسا اوقات مخالفین کی طرف سے پیش آنے والی مخالفتوں کو بیجا اہمیت دینے کا بھی کچھ دخل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر اس طرح کی آیات میں ان تنبیہات کے ساتھ اللہ پر توکل اور اعتماد کی بھی تلقین کی گئی ہے :

● یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ○ (مائدہ - ۵ : ۶۷)

ترجمہ : اے پیغمبر، جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔

اور سورۂ احزاب میں فرمایا گیا۔

● یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ○ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ○ وَّ تَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ○ (احزاب - ۳۳ : ۱-۳)

ترجمہ : اے نبی اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو۔ حقیقت میں علیم اور حکیم تو اللہ ہی ہے۔ پیروی کرو اس بات کی جس کا اشارہ تمھارے رب کی طرف سے کیا جا رہا ہے، اللہ ہر اس بات سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اللہ پر توکل کرو، اللہ ہی وکیل ہونے کے لیے کافی ہے۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ

قرآن و سنت کے مطالعہ سے بہ خوبی واضح ہے کہ اسلام کی اساس ایمان باللہ ہے جس کو دل سے مانے بغیر کوئی شخص مسلمان تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ایمان باللہ میں ایمان بالرسالت اور ایمان بیوم الجزاء بھی داخل ہے، کیونکہ یہ ایمان باللہ کے لازمی تقاضے ہیں اور یہ دونوں چیزیں اس کی شاخ اور برگ و بار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایمان باللہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کائنات انسان سمیت اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے اور انسانوں کی حیثیت اس کے مخلوق اور بندے کی ہے، اس لیے اس کے سوا اور کوئی بھی رویہ اس کے لیے صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کو

اپنا رب، خالق، مالک اور آقا تسلیم کرتے ہوئے اس کی بندگی اور اس کے احکام کی بے چون وچرا اطاعت کرے اور اس کے سوا کسی کو بھی اپنا مالک آقا اور فرماں روا تسلیم نہ کرے۔

پورا قرآن اسی کی دعوت سے بھرا ہوا ہے اور قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اسی کی دعوت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ مختلف ملکوں، قوموں اور زبانوں میں اپنے پیغمبر بھیجتا رہا۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے:

● وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنَ ○

(انبیاء - ۲۱ : ۲۵)

ترجمہ: ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

● وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل ۱۶: ۳۶)

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا۔ اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی خاص اسی غرض سے تھی کہ آپؐ اسی کی عبادت کریں اور اسی کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیں:

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ (الرعد ۱۳: ۳۶)

ترجمہ: تم صاف کہہ دو کہ مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں۔ لہٰذا میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

ایمان بالرسالت کا مطلب یہ ہے کہ زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ انسان صرف اپنی عقل کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتا، اس لیے ناگزیر ہے کہ اللہ نے اس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جو پیغمبر بھیجے ہیں وہ ان کے لائے ہوئے اس طریقۂ زندگی کی پوری پوری پیروی کرے جو رب کائنات

نے ان کے ذریعہ بھیجا ہے۔

اور ایمان بیوم الجزار کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی حیثیت اس دنیا میں ایک غیر ذمہ دار مخلوق کی نہیں ہے کہ اسے اپنے اچھے برے اعمال کی جوابدہی نہیں کرنی ہوگی اور وہ مرنے کے بعد گل سڑ کر مٹی میں مل جائے گا، بلکہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے خالق نے اس کو ارادہ و اختیار کی یک گونہ آزادی دے کر یہاں اس لیے بھیجا ہے کہ وہ یہ دیکھ سکے کہ وہ اپنے اس اختیار و آزادی کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے یا اس کے خلاف!

قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ:

● تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (سورۂ ملک - ۶۷: ۱-۲)

ترجمہ: نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

چنانچہ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک مقررہ تاریخ پر اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اور اس دن اس کو خدا کے روبرو حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی، اور انھیں کے مطابق جزا یا سزا کا مستحق ہوگا۔

ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر بآسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمیں دعوتِ دین میں کن چیزوں کو لازماً اپنے پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور صحیح دعوت دین وہی ہوسکتی ہے جس میں ان بنیادی باتوں کو پوری اہمیت کے ساتھ سامنے رکھا گیا ہو۔

ان کی اہمیت تو اتنی ہے کہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ بہت سے انبیاء کرام نے اپنی دعوت میں ان منکرات کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے جو ان کے زمانے میں ان کی قوم میں رائج تھیں لیکن ان کی تنقید کا عام رخ یہی رہا ہے کہ ان منکرات کا ارتکاب اللہ کے خلاف تمرد و

جسارت ہے جو آخرت میں ناکامی و خسران پر منتج ہوگی، اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔
مثلاً حضرت لوطؑ نے اپنی قوم میں پھیلے ہوئے فاحشہ پر نکیر فرمائی تو ان کو اس طرح خطاب فرمایا:

● كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِيْنَ ○ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ○ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُونَ ○ وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ○ (الشعراء - ۲۶ : ۱۶۰ - ۱۶۶)

ترجمہ: لوطؑ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب کہ ان کے بھائی لوطؑ نے ان سے کہا تھا! "کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمھاری بیویوں میں تمھارے رب نے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو؟ بلکہ تم لوگ حد سے ہی گذر گئے ہو۔"

یعنی سب سے پہلے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی۔ پھر اپنی اس حیثیت کو نمایاں کرتے ہوئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اپنی اطاعت کی دعوت دی۔ اور اس کے بعد اس فاحشہ کا ذکر اس طرح کیا کہ وہ اللہ کے مقابلہ میں سرکشی بھی ہے اور اس کی اس نعمت کی ناقدری بھی، جو اس نے ان کے لیے ازواج کی شکل میں مہیّا فرمائی ہے۔

حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کے ناپ تول میں خیانت کرنے پر تنقید فرمائی تو اس کے لیے یہ انداز اختیار فرمایا:

● وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (اعراف، ۷ : ۸۵)

ترجمہ: اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا، اے برادران قوم،

اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمھارے پاس تمھارے رب کی صاف رہنمائی آگئی ہے، لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو، اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے، اسی میں تمھاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن ہو"

قران کی ان ہدایات اور انبیاء کرام کے اس طریقۂ دعوت کی اتباع میں ہمارے لیے مغربی اقوام کو اسلام کی دعوت دینے کا صحیح طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم سب سے پہلے اسلام کے بنیادی عقائد ان کے ذہن نشیں کرائیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، یورپ کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ اس نے اپنی اجتماعی زندگی کے لیے بھی اپنی عقل کی رہنمائی کو کافی سمجھ لیا ہے اور اسی کی رہنمائی میں اپنی زندگی کا پورا نظام مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، جس نے اس کے لیے بے شمار ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جو ان کی ہزار کوششوں کے باوجود پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے حل کے لیے اگر وہ کوئی ایک طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس سے وہ تو حل نہیں ہوتے البتہ دوسرے بہت سے لاینحل مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جن کی تفصیل کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے جب تک کہ اسلام کے ان تینوں بنیادی حقائق (توحید، رسالت، جزا و سزا) پر ان کو مطمئن نہ کر دیں گے ان کے سامنے اسلامی نظام حیات کی تفصیلات کی وضاحت سے کوئی خاص فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا اور نہ خود اسلام کے سیاسی، معاشی، اخلاقی اور معاشرتی وغیرہ پہلوؤں کی برتری صحیح معنوں میں ان کے ذہن نشین کی جا سکتی ہے، کیونکہ ان سب میں بنیادی حیثیت انھیں تینوں چیزوں کو حاصل ہے۔ اور ہم اپنی اس کوشش میں اس وقت تک شاید کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں جب تک یورپ کے موجودہ نظامِ زندگی کی بنیادوں کا قوی اور وزنی دلائل سے غلط اور کمزور ہونا واضح نہ کر دیا جائے۔ لیکن یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ٹھوس تیاری کی ضرورت ہو گی، کیونکہ اہل یورپ کا علمی معیار خاصا بلند ہے اور جیسا کہ میں نے اشارہ کیا، ایک عرصہ سے اس کی آبیاری کے لیے انتھک کوششیں صرف ہو رہی ہیں اور اس کے حق و ثواب ہونے پر ہر

طرح کے دلائل مہیا کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اس لیے جب تک انھیں کے معیار کے مطابق تنقیدی لٹریچر مہیا نہ ہو ، اپنی باتوں کی طرف متوجہ کرنے ہیں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن آپ حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں کہ دعوت و تبلیغ میں صرف لٹریچر اور تقریروں ہی پر انحصار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے عمل کی شہادت بھی ایک ناگزیر ضرورت ہے، کیونکہ ؎

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو پیکرِ عمل بن کر غیب کی صدا بن جا

اور واقعہ یہی ہے کہ اس وقت دعوتِ اسلامی کی کامیابی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے کہ ہمارا عملی نمونۂ زندگی اسلامی احکام و تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے ہر داعیِ دین کو سب سے پہلے اپنی اصلاح و تربیت کی فکر کرنی چاہیے تاکہ اسلام کی خوبیاں خود ہمارے عمل سے نمایاں ہوسکیں۔ اور پھر ساتھ ہی ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانے کی کوشش کرنی چاہیے جس سے اسلامی نظام کی اجتماعی برکتیں نمایاں اور روشن ہوسکیں اور وہ دوسرے لوگوں کے لیے دلچسپی اور کشش کا موجب بن سکیں۔

اہل یورپ کو دعوت کے سلسلہ میں ہمیں خاص طور سے یہ بات بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہم جزئیات سے پہلے کلیات پر اور فروع سے پہلے اصول پر اور ان سب سے پہلے عقائد کی تصحیح پر ان کی توجہ مرکوز کریں اور بتدریج ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں، اور اس سلسلہ میں غلو اور تشدّد سے پوری طرح اجتناب کریں۔ جہاں تک رہن سہن، نشست و برخاست اور کھانے پینے کے طریقوں وغیرہ کا تعلق ہے خود دین نے ان میں سختی روا نہیں رکھی ہے بلکہ اصولی ہدایات دیکر اس کا دروازہ کھلا رکھا ہے کہ لوگ اپنے ذوق اور پسند اور مقامی حالات وضروریات کے پیش نظر اپنے رہن سہن اور کھانے پینے وغیرہ میں مناسب طریقے اختیار کرسکیں۔ اس کے ساتھ خود ہمیں اپنے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں بھی یہ بات پوری طرح پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جہاں تک جزوی اور فروعی اور مسلکی اختلافات کا تعلق ہے ان کو حتی الوسع حدود کے اندر ہی محدود رکھنا چاہیے۔ ہم میں سے ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس مسلک کو بھی پسند کرتا ہے

اس پر خود عمل پیرا ہو لیکن اس کے لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہوگا کہ وہ دوسروں کو بھی اس مسلک کو اختیار کرنے کے لیے اصرار کرے اور اسے لازماً برسر باطل سمجھے۔ فروعی مسائل میں ائمہ کے اختلافات کی نوعیت زیادہ تر جواز، عدم جواز کی نہیں بلکہ اولیت و افضلیت کے سوال پر مبنی ہے اور ان میں سے جس کو بھی اختیار کیا جائے اس کے بارے میں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ یہی صواب ہے، لیکن خود ائمہ کی تصریح کے مطابق قطعیت سے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ صواب بس یہی ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ لازماً غلط ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس موقعہ پر مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے متعلق ایک اقتباس پیش کیا جائے جو مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے ایک مضمون سے لیا گیا ہے۔ مفتی صاحب نے انہی کے لفظوں میں یہ نقل فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا، نہ ابو حنیفہؒ کو اور نہ احمد بن حنبلؒ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا علم کا انعام دیا ہے جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنھوں نے نورِ ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنّت کا نور پھیلانے میں گذریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کریگا کہ وہاں میدانِ محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس ـــــ یہ نہیں ہوگا۔

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں اور نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمرِ ضائع کر دی، اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے نزدیک جو مسائل متفقہ تھے اور دین کے جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی، یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے و اغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں

اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا، وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام وحلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں۔"

(وحدتِ امت ص ۲۰ از مولانا مفتی محمد شفیع)

ان فقہی اختلافات کے سلسلہ میں امام حسن البنار کا ایک خاص واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ وہ ایک گاؤں میں تقریر کرنے گئے۔ رمضان کا مہینہ تھا، اور گاؤں کے لوگ تراویح کی رکعتوں کے مسئلہ کو لے کر دو دھڑوں میں بٹ گئے تھے کہ آیا تراویح کی رکعتیں بیس ہیں یا آٹھ؟ اس مسئلہ پر ان کا اختلاف اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ نوبت لڑائی جھگڑے کی آگئی تھی۔ ہر فریق یہی دعویٰ کر رہا تھا کہ وہی حق و سنت پر ہے اور دوسرا غلط اور بدعتی ہے۔ مگر جب انھیں پتہ چلا کہ مرشد حسن البنار تشریف لا رہے ہیں تو اس نزاعی مسئلہ میں انھیں حَکَم بنانے پر اتفاق کیا۔ ان میں سے ہر فریق یہی گمان کر رہا تھا کہ فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا۔ لیکن جب یہ مسئلہ امام رح کے سامنے پیش ہوا تو انھوں نے ان سے سوال کیا کہ نماز تراویح کا حکم کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: سنّت ہے جسے کرنے پر ثواب ہوگا، اور اس کا تارک قابلِ مواخذہ نہیں ہے۔

انھوں نے پوچھا کہ مسلمانوں میں باہمی اخوت اور بھائی چارہ کا کیا حکم ہے؟ جواب دیا کہ یہ ایک دینی فریضہ ہے اور ایمان کا ایک ستون!

انھوں نے فرمایا کہ کیا اللہ کی شریعت میں یہ جائز ہو سکتا ہے کہ سنت کی حفاظت میں ایک دینی فرض کو ضائع کر دیا جائے؟ یاد رکھو! اگر تم اخوت اور باہمی اتحاد پر قائم رہو اور پھر اپنے گھروں کو جا کر تم میں سے ہر شخص آٹھ یا بیس رکعت میں سے جس پر اس کا دل مطمئن ہو اتنی پڑھے تو یہ اس لڑائی جھگڑے سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔

اور اس زمانہ میں جب کہ ہم آپ دیکھ رہے ہیں کہ خود اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کے لیے ہر طرح کی کوششیں عمل میں لائی جا رہی ہیں اپنی توانائیاں فروعی بحث ضائع کرنا کسی

طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ یورپ میں تو خاص طور سے انسانیت کے مشترکہ مسائل کو مرکز توجہ بنانا چاہیے بلکہ میں اس موقعہ پر یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یورپ میں مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے جو مسلمان آباد ہیں ان کو یہاں اپنے اپنے ملکوں کے مخصوص مفادات و مسائل کو اہمیت دینے کے بجائے اپنی توجہ انہی مسائل کی طرف مرکوز کرنا چاہیے یا ان کو انہی مسائل کے ساتھ دیکھنا اور دکھانا چاہیے۔

عزیزان گرامی!

آخر میں بطور خلاصہ چند باتیں عرض کرنی چاہتا ہوں۔ آپ اس برّاعظم میں رہتے ہیں اس لیے قدرتی طور پر آپ کی نگاہ یہاں کے حالات پر مجھ سے کہیں زیادہ وسیع اور گہری ہوگی۔ تاہم میں نے دور رہتے ہوئے بھی اپنے طور پر جہاں تک حالات کا جائزہ لیا ہے مجھے یہ صاف نظر آرہا ہے کہ جس طرح عیسائیت کے محدود تصور اور کلیسا کے جبر و تشدّد کے نتیجہ میں یورپ میں خود نفس مذہب سے بیزاری کا جذبہ پیدا ہوا تھا اور اس نے الحاد و لادینی کی گود میں پناہ لی تھی، اسی طرح اس راستہ پر کافی دور چلنے کے بعد اب اس کے اندر مادہ پرستی اور خدا سے بے نیازی کے خلاف بھی جذبات پیدا ہونے کی علامات ظاہر ہونا شروع ہوگئی ہیں۔ مغرب کے بہت سے اصحابِ فکر نے یہ سوچنا شروع کر دیا ہے کہ ہم نے مذہب اور خدا سے بے نیاز ہوکر جو سفر شروع کیا تھا اس نے ہمیں بیابانِ مرگ میں لاکر چھوڑ دیا ہے۔ اس طرح یورپ اپنے پاؤں سے چل کر ایسے مقام پر آگیا ہے جہاں اس کے اندر ایک ایسے نظامِ زندگی کی طلب پیدا ہوتی جارہی ہے جس کے اندر اس کی روحانی پیاس بجھانے کا سامان بھی ہو اور اس کی مادی ضروریات کے بحسن و خوبی پورا ہونے کی ضمانت بھی۔ اور ظاہر ہے کہ ان دوگونہ فطری داعیات کو بطریق احسن پورا کرنے والا مذہب یا نظامِ حیات پہلے بھی اسلام تھا، آج بھی اسلام ہے اور آئندہ بھی اسلام ہی ہوگا۔

برادرانِ گرامی!

حالات کی اس تبدیلی سے اگر ہم نے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی تو یہ ہماری

بہت بڑی کوتاہی ہوگی اور اس پر ہم اللہ کے نزدیک سخت باز پرس کے سزاوار ہوں گے۔

آخر میں، میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! ہمارے ان بھائیوں کو جو تیرے دین کے لیے یہاں سرگرم عمل ہیں، اپنی خصوصی مدد سے نواز دے! ان کو نور بصیرت عطا فرما، ان کو زور یقین اور استقامت فرما۔

- رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔
- رَبَّنَا آتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔
- اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَاجْعَلْ فِى قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ وَثَبِّتْهُمْ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْزِعْهُمْ اَنْ يُّوْفُوْا بِعَهْدِكَ الَّذِىْ عَاهَدْتَّهُمْ عَلَيْهِ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اِلٰهَ الْحَقِّ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

- و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین
- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ